OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com DOI: **10.5281/zenodo.10519488**

اسرائیل اور عرب ممالک کے مابین ابراہام معاہدہ اور فلسطین پر اس کے اثرات کا جائزہ

A review of Abraham Accords among Israel and the Arab Countries and its impact on Palestine

Muhammad Ayub
PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies, Abdul wali khan University, Mardan.
Email: mayub7097@gmail.com

Muhammad Anwar
PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies, Abdul wali khan University, Mardan
Email: anwarusmani1987@gmail.com

Received on: 20-07-2023 Accepted on: 25-08-2023

Abstract:

Abraham Accords is actually designed by the American think tank. The ex-president of America Donald Trump take special interest in designing this accords and he give this accords the name of Abraham which accept and recognize from all three big religious followers such as Muslims, Christians and Jews. It must be clear to everyone that ex-president of America Donald Trump was Jew by religion and he visit to the Wailing Wall for the first time in the history of American presidents. He enforce all Arab countries especially Saudi Arabia to sign this accords according to his wishes. So the Arab countries will sign Abraham Accords gradually by the influences of Saudi Arabia. Abraham Accords has positive impact on the Palestine issue and Middle East well as negative impact too. In this research article all these related issues are highlighted by the researchers. The research paper has five main topics on different related issues which are discussed here. The summery, findings and recommendations are given at the end.

Keyword: Abraham Accords, Israel, Palestine and Middle East etc.

تمہید

خطہ مشرق وسطیٰ ایک طرف مذہبی حوالوں سے انتہائی اہمیت کا حامل خطہ ہے تو دوسری طرف یہی خطہ روز روز بے چینی اور اذیتوں سے گزر رہی ہیں، وہاں مختلف النوع مسائل تھمنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ روز افزوں ہیں۔ وہاں کے باشندے امن وآمان کے لئے ترستے ہیں۔ اسرائیل اور فلسطین تنازعہ پورے مشرق وسطیٰ کے مسائل کا اُم المسئلہ اور جڑ ہے۔

تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو فلسطین-اسرائیل تنازعہ بہت پہلودار ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسائل اور مشکلات جنم لے رہی

ہیں۔ یہ جغرافیائی عوامل کے علاوہ سیاسی، مذہبی، تزویراتی(Strategic)اور اب اقتصادی عوامل و محرکات اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ فلسطین اور اسرائیل کے اپنے مسائل اور مشکلات کے علاوہ خطے سے جڑے مفادات بھی اسی سے وابستہ ہو چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہاں ہمسایہ ملکوں کے پراکسیز بھی متحرک ہیں۔ گویا پورے خطے کا امن اور بقاء اس مسئلہ سے جڑا ہوا ہے۔

لیکن اگر بات یہی پر ختم ہوتی تو ٹھیک، دونوں ممالک کے مذہبی ایشو نے پوری دنیا کو تقسیم کر کے رکھ دیا ہے، ایک طرف پوری مغربی دنیا عالمی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر پوری قوت کے ساتھ اسرائیل کی حمایت و نصرت کے لئے کاربند ہے تو دوسری طرف بیت المقدس اور سرزمین انبیاء کرام علیہم السلام کی وجہ سے فلسطین ایشو پوری امت مسلمہ کے توجہات اور حساسیت کا مرکز بنا رہا۔

سابق امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی جانب سے مشرق وسطیٰ کے لئے امن منصوبہ کا اعلان کیا گیا، جو ڈیل آف سنچری کے نام سے شہرت اختیار کر گئی، اسی امن منصوبے کی کوکھ سے اسرائیل اور خطے کے دیگر مسلم ممالک کے درمیان ابراہام معاہدہ پھوٹا۔ فی الوقت ابراہام معاہدہ متحدہ عرب امارات اور بحرین کے ساتھ باضابطہ منظور ہو چکا ہے اور اس معاہدہ میں دوسرے اسلامی ممالک کی شمولیت کے کافی امکانات ہیں۔

زیر نظر مقالہ اسی معاہدہ کے تعارف اور تنقیدی جائزہ ہے، جو مباحث پر مشتمل ہیں؛ مبحث اول ابراہام کا مفہوم، ابراہام معاہدہ کا تعارف، مبحث دوم اسرائیل اور مشرق وسطیٰ کا ایک جائزہ، فلسطین کا محل وقوع اور تاریخی پس منظر، ڈیل آف سنچری کے اہم نکات اور اس کے اثرات، مبحث سوم اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان ابراہام معاہدہ، اسرائیل اور بحرین کے درمیان ابراہام معاہدہ اور ابراہام معاہدہ کے خلیجی ممالک پر اثرات، اور مبحث چہارم میں 'پس چہ باید کرد' کے عنوان سے اس کے حل کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مبحث اول:

ابراہام کا مفہوم

ابراہام عبرانی زبان کا لفظ ہے جو دراصل سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو پکارا جاتا ہے۔ بائبل میں آپ کے لئے یہی نام استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے قدیم شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ قدیم عراق کی تہذیب کو "سمیری تہذیب" کہا جاتا ہے اور اس علاقے میں جو قوم آباد تھی اسے "کلدانی" کہا جاتا ہے۔ تورات میں سیدنا حضرت ابراہیم السلام کو اسی شہر کا باشندہ قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا۔ آپ نے اس وقت کے بادشاہ نمرود کے سامنے بت پرستی کی مخالفت کی۔ واقعہ آتش نمرود کے بعد آپ نے فلسطین ہجرت کی۔ آپ کی دو بیویاں تھی؛ ہاجرہ اور سارہؑ۔ ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ نے مکہ کو آباد کیا، جب کہ سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ فلسطین میں رہے [1]۔

ابراہام معاہدہ کا تعارف

ابراہام معاہدہ(Abraham Accords)اسرائیل، متحدہ عرب امارات اور امریکہ کے درمیان مشترکہ معاہدہ ہے۔ یہ معاہدہ بنیادی طور پر دو ممالک اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان تھا اور امریکہ اس میں ثالث اور ضمانت کنندہ کی حیثیت میں تھا جسے 13 اگست

2020ء کو دستخط کیا گیا تھا۔ اسرائیل نے متحدہ عرب امارات کے بعد یہ معاہدہ بحرین کے ساتھ 15 ستمبر 2020ء بھی کیا جس میں بھی امریکہ ضمانت کنندہ اور ثالث تھا۔

اس معاہدہ کو ابراہام کا نام اس لئے دیا گیا کہ یہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جسے یہودی، عیسائی اور مسلمان تینوں مانتے ہیں اور تینوں کے ہاں قابل تعظیم شخصیت تھے، بلکہ یہودی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہودی اور عیسائی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو عیسائی ماننے پر بضد ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ- هَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ- مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ[2]"

ترجمہ: اے کتاب والو! تم لوگ ابراہیم (یہودی یا عیسائی ہونے کے) بارے میں کیوں جھگڑ رہے ہو؛ حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی ہے؟ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ہاں تم لوگ ایسی باتوں کے متعلق تو جھگڑ (ہی) چکے ہو، جن کے بارے میں تم کو کسی درجہ میں علم تھا، تو اب ایسی باتوں کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو جن کی بابت تم کو کوئی واقفیت نہیں؟ اور اللہ واقف ہیں تم واقف نہیں ہو۔ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی؛ بلکہ شرک سے بے زار اللہ کے فرماں بردار تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے[3]۔

ابراہام معاہدہ کے متن، اس کی جزئیات، اسرائیل اور فلسطین پر اس کے اثرات اور خطے کے دیگر ممالک پر اس کے اثرات کو سمجھنے سے پہلے تمہید کے طور پر اسرائیل اور مشرق وسطیٰ کا ایک جائزہ، فلسطین کا محل وقوع اور تاریخی پس منظر، ڈیل آف سنچری کا تعارف اور خطے میں اس کے اثرات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

مبحث دوم:

اسرائیل اور مشرق وسطیٰ کا ایک جائزہ

ہٹلر کے زمانے میں جرمنی کی دولت کے تمام ذرائع تجارت، بینکوں، اخبارات اور ریڈیو پر یہودیوں کا تسلط تھا، ہٹلر نے یہودیوں کی اس تسلط کو ختم کرنا چاہا لیکن وہ ناکام رہے۔ روس کے خلاف یہودیوں نے مختلف اوقات میں بغاوتوں کا سلسلہ قائم رکھا تھا جس کے خلاف روس نے 1882ء میں ان کے خلاف تادیبی کاروایاں کیں اور ان کا قتل عام کیا، اس قتل عام سے یہودیوں میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہو گئی جسے تحریک صہیونیت کہتے ہیں۔ یہ تحریک جبل صیہون[4] کی طرف منسوب ہے جو یروشلم کے قریب واقع ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پر قلعہ تعمیر کیا تھا[5]۔

صہونیت (Zionism) ایک جدید قومی یہودی تحریک کا نام ہے جس کا بنیاد 29 سے 31 اگست 1897ء سوئٹر لینڈ کے شہر بال (Ball) میں رکھا گیا۔ اس کانفرنس میں درجہ ذیل مقاصد منظر عام لائی گئی[6]۔

1. یہودی زراعت پیشہ افراد، صنعت کاروں اور تاجروں کو فلسطین میں آباد کیا جائے جس حد تک مطلوبہ مقاصد کے لئے ضرور ہو۔

2. تمام یہودیوں لوگوں کو ان ممالک کے قوانین کی مطابقت سے مقامی اور عام جماعتوں کی صورت میں بین الاقوامی پیمانہ پر منتخب اور منظم کیا جائے۔

3. یہودیوں کو قومی احساسات اور خودی کے جذبات کو تقویت دی جائے۔

4. تحریک صہونیت کی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے متعلقہ حکومتوں کی اجازت کے سلسلے میں اقدامات کئے جائے اور اسرائیل کے قیام کی حمایت کی یقین دہانی کی جائے۔

5. تمام یہودیوں کے لئے عبرانی زبان اپنانے پر زور دیا گیا۔ اس مقصد کے لئے ایک یونیورسٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا[7]۔

روسی یہودی گوریاں نے سب سے پہلے ان علاقوں کی طرف ہجرت کی اور رفتہ رفتہ یہودی آباد ہونے لگیں۔ آبادکاری کا سب سے سنہرا موقع یہودیوں کو پہلی جنگ عظیم کے وقت میسر آیا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ یہودیوں نے جرمنی سے مدد لینا چاہا لیکن انہوں نے ترکی کی وجہ سے حمایت سے انکار کر دیا، اس کے بعد یہودیوں کی طرف سے ڈاکٹر وائزمان نے انگلستان کو یقین دلایا کہ تمام دنیا کے یہودیوں کا سرمایہ اور اعلیٰ دفاعی صلاحیتیں انگلستان اور فرانس کے آسکتی ہیں اگر یہودیوں کو اپنا قومی وطن دیا جائے۔ انگلستان کے حکومت نے یہودیوں کے ساتھ وعدہ کیا جو اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے۔ 1917ء میں فلسطین انگریزوں کے زیر قبضہ آ گیا۔ یہ یہودیوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ مسلسل ہجرت کی وجہ سے 1939ء میں یہودیوں کی تعداد چار لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ 1928ء، 1933ء اور 1939ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات بھی ہوئے لیکن انہوں نے عربوں کا صفایا کیا۔ نومبر 1947ء میں برطانیہ نے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کیا، جس کے مطابق فلسطین کا 55 فیصد رقبہ 33 فیصد یہودی آبادی کو اور 45 فیصد رقبہ 67 فیصد عرب آبادی کو دیا گیا۔ برطانیہ نے فلسطین سے قبضہ ختم کرکے 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی ریاست کا باقاعدہ اعلان کیا[8]۔

فلسطین کا محل وقوع اور تاریخی پس منظر

محل وقوع کے لحاظ سے فلسطین بحر اوسط کے جنوبی کنارے پر واقع ہے اس علاقے کو آج کل مشرق وسطیٰ بھی کہا جاتا ہے، اس کے شمال میں لبنان، جنوب میں خلیج عقبہ، جنوب مغرب میں مصر، مشرق میں شام اور اردن سے سرحدیں ملی ہوئی ہیں جبکہ مغرب میں بحر اوسط کا طویل ساحل ہے۔ فلسطینیوں کا شہر یروشلم انسانی تاریخ کا قدیم ترین شہر ہیں۔ اس شہر پر 52 مرتبہ بیرونی طاقتوں نے فوجی حملے کیں۔ ان 52 حملوں میں 44 مرتبہ یہ شہر فتح ہوا اور اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ 23 بار یروشلم محاصرہ میں آیا۔ فلسطین کا رقبہ حنفہ اور غزہ سمیت 28 ہزار کلومیٹر پر مشتمل تھا[9]۔

فلسطین کی تاریخ میں نیا موڑ اس وقت آیا جب 1917ء میں برطانیہ (British Empire) نے صہونیوں (Zionists) سے فلسطین یہودی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا۔ 1917ء میں اس خطہ میں یہودی آبادکاری کل آٹھ فیصد تھی۔ ٹھیک 31 سال بعد اقوام متحدہ

نے اس خطہ کو یک طرفہ طور پر تقسیم کیا، اس وقت یہودیوں کے پاس فلسطین کا سات فیصد سے بھی کم رقبہ تھا۔ فلسطین کا پچاس فیصد حصہ اقوام متحدہ نے اسرائیل کو عنایت کیا ہے۔

1948ء میں اسرائیل/یہودیوں نے یک طرفہ جنگ میں فلسطین کے آدھے سے زیادہ علاقے پر قبضہ کر لیا اور اس جنگ کے نتیجے میں اسی فیصد فلسطینیوں کو مقبوضہ علاقوں سے نکال دیا۔ 1967ء میں اسرائیل نے باقی ماندہ 22 فیصد فلسطین پر بھی قبضہ کر کے رفتہ رفتہ پورے فلسطین کو ہڑپ لیا۔

1980ء میں صہیونیوں نے مشرقی یروشلم کو اسرائیل میں ضم کر لیا۔ 1993ء سے پہلے اوسلو معاہدے نے فلسطینیوں کو محدود خود مختاری دیں۔ اور 1995ء میں مصر کے شہر طابا میں دوسرے اوسلو معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت اسرائیل کے وجود کو باقاعدہ تسلیم کیا گیا[10]۔

اوسلو معاہدہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان ناروے میں خفیہ مذاکرات کے سلسلے میں عمل میں لایا گیا، یہ مذاکرات 1990ء سے شروع ہو چکے تھے اور تین سال بعد 1993ء میں وائٹ ہاؤس کے لان میں صدر بل کلنٹن کی زیر نگرانی میں ہونے والی تقریب نے ہمیشہ کے لئے یادگار بنا دیا۔ اس معاہدہ کے مطابق اسرائیل کے جنگی رہنما اسحاق رابن اور یاسر عرفات نے جنگ کے بجائے مستقبل میں مذاکرات کے ذریعے حل نکالنے کا وعدہ کیا گیا۔ اس معاہدے کا سیاسی، اقتصادی اور تزویراتی فائدہ اسرائیل ہی کو پہنچا، اسی وجہ سے اس معاہدہ کے بعد یاسر عرفات اور اسرائیل کے وزیر خاجہ شیمون پیریز کو نوبل انعام سے نوازا گیا[11]۔

امریکی صدر بل کلنٹن نے مشرق وسطیٰ میں امن کے نام پر 19 تا 23 دسمبر 2000ء میں منصوبے کا اعلان کیا جسے یاسر عرفات نے 2 جنوری 2001ء کو وائٹ ہاؤس میں یہ معاہدہ قبول کر لیا۔ ماضی قریب میں امریکہ کے سابق صدر دونالڈ ٹرمپ اس خطہ میں امن برقرار رکھنے کئے دو اسٹیٹ منصوبہ پیش کیا جسے "ڈیل آف سنچری" قرار دیا گیا[12]۔

ڈیل آف سنچری کے اہم نکات

دسمبر 2017ء میں ٹرمپ انتظامیہ کی طرف یروشلم شہر کو اسرائیل کا باقاعدہ دارالحکومت تسلیم کیا گیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی امریکہ نے تل ابیب سے اپنا سفارتخانہ یروشلم منتقل کر دیا۔

28 جنوری 2020 کو امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کے ہمراہ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے لئے ایک بھرے پریس کانفرنس میں اپنا منصوبہ پیش کرتے ہوئے کہہ دیا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا پیش کردہ منصوبہ فلسطینیوں کے لئے امن کا آخری موقع ہو۔

سابق امریکی صدر ٹرمپ کے اس امن منصوبے کے اہم اہم نکات درجہ ذیل ہیں؛

1. جن علاقوں کو صدر ترمپ نے اسرائیلی علاقہ تسلیم کیا ہے، ان میں امریکہ اسرائیل کی مکمل خود مختاری تسلیم کرے گا۔ اسی پلان میں صدر ٹرمپ نے ایک مجوزہ نقشہ بھی پیش کیا ہے اور اس کے بارے میں صدر ٹرمپ کا کہنا ہے کہ اس میں اسرائیلی علاقائی سمجھوتوں کی

نشاندہی کی گئی ہے۔

2. اس منصوبے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس پلان کے تحت فلسطینی علاقہ دوگنا ہو جائے گا اور مشرقی یروشلم دارالحکومت بن جائے گا جہاں امریکہ اپنا سفارت خانہ کھولے گا۔

3. اس پلان کے مطابق یروشلم اسرائیل کا غیر مشروط اور غیر منقسم دارالحکومت ہو گا۔

4. اس پلان کے تحت فلسطینیوں کے پاس ایک موقع ہے کہ وہ مستقبل میں اپنی ایک آزاد ریاست قائم کر لیں۔

5. اس پلان کے تحت فلسطینی یا اسرائیلی کو اپنے گھروں سے بے دخل نہیں کیا جائے گا۔

6. اسرائیل اردن کے بادشاہ سے مل کر اس بات کو یقینی بنائے گا کہ یروشلم کے مقدس ترین مقامات جسے یہودی "ٹمپل ماؤنٹ" کہتے ہیں اور مسلمان الحرم الشریف ان مقامات کی انتظامیہ کا موجودہ نظام برقرار رہے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت اردن وہ مذہبی ٹرسٹ چلاتا ہے جو ان مقامات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

7. جن علاقوں کو صدر ٹرمپ نے فلسطینیوں کے لئے مختص کیا ہے وہ آئندہ چار سال آمدورفت کے لئے کھلے رہیں گے اور وہاں کوئی تعمیراتی کام نہیں کیا جائے۔

ڈیل آف سنچری کے اثرات

اس منصوبے کے کئی اہم نتائج اور اثرات فلسطین اور ان کے خطے پر مرتب ہوں گے، ذیل میں چند اثرات اور نتائج پیش کئے جاتے ہیں؛

1. اس منصوبے کی رو سے فلسطینیوں کو فلسطینی علاقے کا صرف 15 فیصد حصہ دیا گیا ہے۔

2. یروشلم شہر کے بارے میں اسرائیل اور فلسطینی دونوں ہی دعوے دار ہیں۔ فلسطینیوں کا دعویٰ ہے کہ مشرقی یروشلم جس پر اسرائیل نے 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں قبضہ کیا تھا، یہ فلسطین کا حصہ ہے جو اسرائیل کے بجائے فلسطین کا مستقبل میں دارالحکومت ہونا چاہیئے۔

3. اس منصوبے کی رو سے عالمی قوانین کے تحت غیر قانونی مانی جانے والی اسرائیل کی تعمیر کردہ مغربی کنارے پر یہودی بستی کو ختم نہیں کیا جائے بلکہ گویا ان غیر قانونی بستیوں کو عالمی قوانین کے علی الرغم امریکہ کی آشیرباد سے قانونی تحفظ دی گئی۔ اس سے قبل امریکہ نے ہمیشہ ان اسرائیلی بستیوں کو عالمی قوانین کیخلاف ورزی قرار دی تھی۔ امرکہ اپنے دیرینہ مؤقف سے پیچھے ہٹنے لگا۔

4. منصوبے میں چار سال کے لئے تعمیراتی کاموں پر پابندی فلسطینیوں پر لٹکتی تلوار ہے کہ وہ اس منصوبے پر عمل درآمد کرنا پسند کرتے ہیں یا نہیں، تعمیرات کی قانونی اجازت کے حصول کے لئے فلسطین اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کریں اور خود مختار ریاست کے لئے تعین شدہ پیمانے پر پورا اُتریں۔

5. اس منصوبے کے تحت اسرائیل کو مقبوضہ بیت المقدس پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جائے گا، نیز فلسطین انتظامی اور مالی طور پر اسرائیل

پر انحصار کرے گا۔

صدر ٹرمپ کی طرف سے مجوزہ امن منصوبہ پیش کرنے پر فلسطین کے صدر محمود عباسی نے رد عمل میں کہا کہ یہ منصوبہ ایک سازش ہے۔ یروشلم اور ہمارے حقوق برائے فروخت نہیں ہیں[13]۔ اس منصوبے کے خلاف اور استرداد کے لئے فلسطین نے تونس اور انڈونیشیا کے تعاون سے اقوام متحدہ کے سلامتی کونسل میں 9فروری 2020ء کو قرارداد لائی تھی، تاہم اس کے بعد قانونی اور تکنیکی امور کو مد نظر رکھتے ہوئے فلسطینیوں نے سلامتی کونسل میں پیش کردہ قرارداد واپس لے لی۔

مبحث سوم

(الف) اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے مابین ابراہام معاہدہ

اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان ابراہام معاہدہ امریکہ کی ثالثی میں 13 اگست 2020ء کو ہوا تھا۔ دونوں ممالک کے درمیان معاہدہ کا سرکاری عنوان (Officially Name) یوں تھا:

"Abraham Accords Peace Agreement: Treaty of Peace, Diplomatic Relation and Full Normalization Between the United Arab Emirates and the State of Israel"

یعنی ابراہام معاہدہ امن: اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان امن معاہدہ اور سفارتی تعلقات کو معمول کے مطابق لانا۔

28 جنوری 2020ء کو امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے مشرق وسطیٰ کے بارے میں خصوصاً اسرائیل اور فلسطین تنازعہ کے تناظر میں اپنا ویژن پیش کیا جس میں انہوں نے مشرق وسطیٰ میں امن کو اولین ترجیح قرار دیا اور امن کے حصول کے لئے مشرق وسطیٰ کے ممالک پر زور دیا کہ تصادم اور ٹکراؤ کے بجائے وہ ایک دوسرے کے ساتھ سفارتی، تجارتی اور دوسرے نوعیت کے تعلقات بحال کریں۔ اس امن ویژن کو "ڈیل آف سنچری" یعنی صدی کا سب سے بڑا معاہدہ کا نام دیا گیا۔ جس کی مختصراً تفصیل گزر چکی ہے۔

امریکی صدر کی طرف سے مشرق وسطیٰ کا امن ویژن پیش کرنے کے بعد امریکی کی سفارتی ذرائع متحرک ہو گئی اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں اس اسرائیل کے لئے لابی کرنے لگیں، انہیں سفارتی ذرائع کی کوششیں بارآور ثابت ہو گئیں اور مشرق وسطیٰ کے ایک اہم ملک متحدہ عرب امارات نے اسرائیل کے ساتھ امن ویژن کے تحت ابراہام معاہدہ دستخط کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ سن 1979ء میں مصر کی جانب سے کیا گیا جس کے بعد اردن نے ایسا ہی معاہدہ سن 1994ء میں اسرائیل سے کیا۔ ان دونوں ممالک کے بعد متحدہ عرب امارات تیسرا عرب ملک بن گیا، جس نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات باضابطہ طور پر قائم کر لئے ہیں اور یو اے ای خلیج کی چھے عرب ریاستوں میں پہلا ملک ہے جس نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات معمول پر لایا۔ متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ کا متن یوں ہے:

"**تمہید:** متحدہ عرب امارات کی حکومت اور ریاست اسرائیل کی حکومت اس معاہدہ میں فریقین کے نام سے موسوم ہوں گے۔28 جنوری 2020ء میں امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی جانب سے دونوں فریقین سے اس سلسلے میں ملاقات ہوئی تھے، جس میں ٹرمپ نے مشرق وسطیٰ میں امن کے منصوبے کے خدوخال دونوں فریقین کے درمیان رکھا تھا، دونوں فریقوں نے اس پر مزید پیش رفت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اب 13 اگست 2020ء میں سہ فریقی مشترکہ اجلاس منعقد ہو رہا ہے جس میں فریقین جن باتوں پر متفق ہو چکے ہیں۔ان کی تفصیل یوں ہے:

سفارتی تعلقات: دونوں فریقوں کے درمیان حالات کو معمول پر لانے کے لئے سفارتی تعلقات کا آغاز کیا جائے گا۔

سفارتخانوں کا قیام: اس مقصد کے حصول کے لئے دونوں فیقوں کے ممالک میں ایک دوسرے کے سفارت خانوں کو قائم کیا جائے گا۔

قوانین کی پاسداری: دونوں فریقین اقوام متحدہ اور دوسرے عالمی قوانین کا احترام کریں گے۔

امن کی بحالی: دونوں فریق امن کو بحال کریں گے۔خطے میں امن کے حصول کو ممکن بنایا جائے گا۔امن کے حصول میں جو بھی رکاوٹیں ہو؛ مثلاًانتہاء پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی اس کو ختم کرنے کا عزم کیا گیا۔

دوسرے علاقائی حکومتوں حلقوں سے تعاون: سرمایہ کاری، مالیاتی تعاون، تجارتی سرگرمیاں، ویزا اور کونسل سروس، سائنس اور ٹیکنالوجی، سیاحت وثقافت، صحت، توانائی، تعلیم، ماحولیاتی امور، فوڈ سیکورٹی، زراعت، پانی، میری ٹائم منیجمنٹ، ڈاک امور اور قانونی امور کے شعبوں میں ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کا تہیہ کیا گیا۔

پرامن بقائے باہمی: دونوں فریقین چونکہ مختلف مذہبی پس منظر کے حامل ہیں، دونوں فیقوں کے علاوہ خطے کے دیگر ممالک کے درمیان بھی پرامن بقائے باہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔

مشرق وسطیٰ کی تذویراتی ایجنڈا: خطے میں امن، تجارت، تعلیم، سفارت کاری اور رواداری بڑھانے کے لئے مشرق وسطیٰ کا خصوصی طور پر تذویراتی ایجنڈا پر عمل کیا جائے گا۔

باہمی حقوق کا احترام: ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کیا جائے اور اس کا دونوں فریقین کی طرف سے احترام کو یقینی بنایا جائے گا۔

سیکورٹی تعاون: خطے سے انتہاء پسندی، دہشت گردی اور دوسرے امن وامان کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ختم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سیکورٹی تعاون کیا جائے گا، نیز دونوں فریق اپنی اپنی حفاظت کے لئے ایک دوسرے سے سیکورٹی تعاون کے لئے ہاتھ بڑھائیں گے۔

تنازعات کا حل: دونوں فریقین کے مابین متنازعہ فیہ امور کو حل کیا جائے گا۔خطے کے دیگر متنازعہ فیہ امور حل کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جائے گا۔

رجسٹریشن: اقوام متحدہ کے آرٹیکل 102 کے تحت اس معاہدہ کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بھیج کر رجسٹرڈ کیا جائے گا۔

یہ معاہدہ واشنگٹن ڈی سی میں بتاریخ 26 ایلول 27،5780 محرم 1442ھ مطابق 15 ستمبر 2020ء ہبرو، عربی اور انگریزی زبانوں میں

مرتب کیا گیا۔ معاہدوں کے متن میں کسی بھی قسم کی اختلاف کی صورت میں انگریزی کا متن اصل متصور ہوگا[14]۔

(ب) اسرائیل اور بحرین کے درمیان ابراہام معاہدہ

اس معاہدہ کا سرکاری نام پہلے نام سے تھوڑا سا مختلف ہے جو یوں ہے:

"Abraham Accords Declaration of Peace, Cooperation and Constructive Diplomatic and Friendly Relations"

یعنی ابراہام معاہدہ: اعلانِ امن، باہمی تعلقات اور تعمیری سفارتی اور دوستانہ تعلقات کی بحالی۔ اس معاہد کا متن یوں ہے:

"بحرین کے بادشاہ حماد بن عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ اور اسرائیل کے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کے درمیان مشرق وسطیٰ اور خلیجی ممالک میں پائیدار امن، بقائے باہمی اور دوستی کی روایات قائم کرنے کا نئے سرے سے عزم کر رکھا ہے۔ اسی بنیادی مقصد کے حصول کے لئے واشنگٹن ڈی سی میں آج امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی دعوت پر وزیر اعظم بنیامین یاہو اور بحرین کے وزیر خارجہ عبد الطیف الزیانی میں ملاقات کیں تاکہ ابراہام معاہدہ کے مطابق امن کی ایک نئے سفر کا آغاز کریں۔ اس معاہدہ کی سفارتی کاری اور عملی وجود میں لانے کا سہرا ڈونالڈ ٹرمپ کو جاتا ہے۔ یہ معاہدہ مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی امن پالیسیوں کی عکاسی کرتا ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان پائیدار مستقبل اور باہمی دلچسپی کے امور خطے کے ممالک کو رواداری، امن اور خوشحالی میسر کریں گی۔ ابراہام معاہدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے دونوں ممالک نے خطے کے ممالک میں امن، خوشحالی، سیکورٹی، بقائے باہمی، ایک دوسرے کی خود مختاری کا احترام اور اسرائیل اور فلسطین کے مابین کشید گی ختم کرنے کا عزم کرتی ہیں۔

اس ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے ایک دوسرے کے ساتھ مکمل سفارتی تعلقات، سیکورٹی تعاون، حصول امن کے لئے فورسز کا استعمال استعمال میں لائیں گی۔ اس مقصد کے لئے دونون ممالک نے آج امن کی طرف ایک نیا قدم اٹھایا، دونوں ممالک آئندہ چند دنوں میں براہ راست فلائٹنگ، سیاحت، ثقافت، ٹیکنالوجی، سرمایہ کاری، سیکورٹی، توانائی، ٹیلی کمیونیکیشن، صحت اور باہمی دلچسپی کے امور اور سفارت خانے کھولی گی۔ دونوں ممالک کے درمیان یہ ایک تاریخی معاہدہ ہے جو یقیناً آپنے آنے والے مستقبل اور خطے کے ممالک کے لئے نئی نوید ہے۔

اس موقع پر دونوں ممالک کے رہنما امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی کاوشوں کی بدولت خطے کے ممالک ایک نئے سفر امن اور انصاف کی طرف عازم ہوئے۔ اس تاریخی ملاقات میں دونوں ممالک کے رہنما امریکی صدر کو بطور گواہ اس معاہدہ پر دستخط کرنے کی اپیل کرتی ہے[15]"۔

(ج) ابراہام معاہدہ کے فلسطین اور مشرق وسطیٰ پر اثرات

ابراہام معاہدہ کی وجہ سے خلیجی ممالک پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہو جائیں گے۔ یہ معاہدہ ہمہ جہت اثرات کا حامل ہوگا اور وسطی اشیا کے

ممالک کو عموماً اور خلیجی ممالک کو خصوصاً نئے دور میں داخل کرے گا۔ واضح رہے کہ سن 1999ء میں شمال مغربی افریقہ میں عرب لیگ کے ممبر ملک موریتانیہ نے اسرائیل کے سے سفارتی تعلقات قائم کئے تھے لیکن پھر 2010ء میں انہیں ختم کر دیا تھا۔ اسرائیل اور عرب ممالک میں قربت کی کئی وجوہات ہیں[16]۔ مثلاً:

- تیل کی قیمتوں میں کمی
- کورونا وبا کی وجہ سے معاشی مسائل
- ترکی اور قطر کے اثر و نفوذ کو روکنا
- عراق، شام، یمن اور ایران کے اثر و نفوذ کو روکنا
- خلیجی ممالک میں حکومتوں کے خلاف بغاوتوں کا خطرہ
- اور امریکی حمایت کے خاتمے کا خوف

متحدہ عرب امارات کے حوالے سے یہ ابراہام معاہدہ سہ نوع اثرات کا حامل ہو گا یعنی تجارتی، تزویراتی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں نیا دور لائے گا۔ اس معاہدے کی اہمیت اور اثرات کے حوالے سے چند گزارشات پیش خدمت ہیں؛

1۔ تجارت اور سیاحت کے مواقع

یہ معاہدہ امارات کے لئے کافی مددگار ہو گا جس سے متحدہ عرب امارات کاروبار اور سیاحت کے حوالے سے عرب ممالک سے آگے نکلے گا۔ کووڈ-19 کے دور سے پہلے اسرائیلی شہری سیاحت کے بہت شوقین ہیں، وہ اس معاہدے کے بعد خلیجی ممالک کے صحرا، ساحل اور شاپنگ سنٹر کی پرکشش راغب کریں گی۔ متحدہ عرب امارات کو اسرائیل جدید اسلحہ اور حفاظتی سامان فروخت کرنے کی ایک بڑی منافع بخش منڈی کے طور پر دیکھتا ہے۔

اسرائیل سے متحدہ عرب امارات کو پروازیں شروع ہو چکی ہے۔ پہلا باضابطہ پرواز اگست کے آخری دنوں میں ہوئی تھی جس میں اسرائیل کے سرکاری عہدہ داروں کے علاوہ سابق امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے داماد جیریڈ کشنر بھی موجود تھے، جنہوں نے طیارے کے متحدہ عرب امارات کے پہنچتے ہی کہا: 'یہ مشرق وسطیٰ کے لئے ایک نیا سکرپٹ ہے'۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ کئی پروازیں سعودی فضائی حدود سے گزرتے ہوئے متحدہ عرب امارات داخل ہوئی جس کا سعودی حکومت نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ کیا سعودی عرب اس سے یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ آنے والے برسوں میں وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔

2۔ ایران سے نمٹنے کی حکمت عملی

یہ معاہدہ جس طرح متحدہ عرب امارات کے لئے دفاعی حوالے سے کلیدی اہمیت کا حامل ہے، اسی طرح ایران کے لئے دفاعی نقطہ نظر سے درد

سر بن رہا ہے۔اسرائیل کے فضائی اڈے ایران سے ایک طویل پرواز کی دوری پر ہیں جبکہ متحدہ عرب امارات محض خلیج کے اس پار ہیں، اگر ایران کے جوہری تنصیبات پر فضائی حملے کی پھر سے بات ہوئی تو متحدہ عرب امارات اس حوالے سے اسرائیل کے لئے بہترین مرکز ثابت ہوگا۔

سعودی عرب اور بحرین سمیت متحدہ عرب امارات کو علاقائی پڑوسی ایران پر نہ صرف اعتبار نہیں بلکہ وہ شاید اس سے ڈرتے بھی ہیں۔ایران متعدد بین الاقوامی پابندیوں کے باوجود اپنے مفادات خطے کے دیگر ممالک میں مستحکم کر رہا ہے اور مشرق وسطیٰ میں اپنی موجودگی بڑھا رہے ہیں اور ایران کے پراکسی گروہ اب عراق، شام اور یمن میں موجود ہیں۔

3۔اسلامی تحریکات کے پھیلاؤ کو روکنا

مصر میں اخوان المسلمین اپنی مقبولیت کے آخری حدوں کو پار کر رہی تھی۔یہ تعلیم یافتہ منظم گروہوں کی اسلامی تحریک ہے، جسے عوام میں کافی پذیرائی حاصل ہو چکی ہے۔یہ تحریک اور اس سے ملحقہ مشرق وسطیٰ میں دوسری تحریکیں خلیجی ممالک کے رہنما ان تحاریک کو اپنی بادشاہت کے لئے خطرہ تصور کرتے ہیں۔شاید اسی وجہ سے سعودی حکومت نے اخوان المسلمین کو دہشت گرد گروہ قرار دے کر ان پر پابندیاں لگوائی۔مصر میں جمہوریت کو ختم کر کے آمریت کا ان پر مسلط کر دیا۔اخوان المسلمین کے رہنماؤں کو عبرتناک سزائیں دلوائیں۔

اخوان المسلمین کو سعودی عرب کی طرح متحدہ عرب امارات بھی سب سے سے ناپسند کرتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ متحدہ عرب امارات میں لیبیا میں اخوان المسلمین کے خلاف لڑنے والی قوتوں کی ہر قسم کی مدد کی ہے۔اخوان المسلین کے علاوہ شاید خطے میں ترکی کی بڑی مقبولیت نے بھی خلیجی مالک کے بادشاہوں کو خوف اور بے چینی میں مبتلاء کر رکھا ہے۔

4۔ٹیکنالوجی کا حصول

اسرائیل میں دنیا کا جدید ترین ٹیکنالوجی سیکٹر موجود ہے۔جس میں بائیو ٹیکنالوجی، صحت، دفاع اور سائبر نگرانی شامل ہیں۔یو اے ای پہلے ہی اسرائیل کے بنائے ہوئے جاسوسی کے پروگرام اپنے شہریوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔متحدہ عرب امارات اس ٹیکنالوجی سے اپنے آپ کو لیس کرے گا۔خلیجی ممالک کے بادشاہ مستقبل میں محفوظ ہوگا۔

اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کی مستقبل میں پارٹنر شپ جس طرح دونوں کے دشمن ایران کے خلاف مؤثر طور پر استعمال ہوگا وہی یہ شراکت داری عرب ممالک میں اسلامی تحریکوں کو کچلنے میں بھی اہم کردار ادا کریں گی۔

5۔اسرائیل کی تنہائی کم ہونا

اسرائیل کو اس معاہدہ کی وجہ سے خطہ میں شناخت اور قبولیت حاصل ہوگی، اب اسرائیل متحدہ عرب امارات اور بحرین کے علاوہ دوسرے عرب ممالک کے ساتھ مل کر کام کر سکیں گے۔سوڈان بھی خفیہ طور پر اسرائیل سے بات چیت کر رہا ہے، وہ سمجھوتے تک پہنچ چکا ہے، لیکن انہوں نے صرف اس وجہ سے یہ بڑا فیصلہ نہیں کیا کہ سوڈان میں فی الحال عبوری حکومت ہے اور 2022ء میں ہونے والے عام انتخابات کے

بعد آنے والی نئی حکومت اس حوالے سے فیصلہ کرے گی۔

6۔ سعودی عرب کی خاموش رضامندی

سن 2002ء میں سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ نے ایک امن منصوبہ بیروت میں پیش کیا تھا، جس کے مطابق عرب ممالک اسرائیل کی حیثیت کو مکمل طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے، لیکن اس شرط پر کہ اسرائیل اپنی سرحد 1967ء میں ہونے والی جنگ سے پہلے والی حدود تک واپس جائے۔ اس تجویز سے اس وقت ک اسرائیلی وزیراعظم ایریئل شیرون کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا تھا لیکن کچھ ہی دن بعد حزب اللہ نے بمباری شروع کردی اور کسی بھی قسم کے مذاکرات ہونے کی امیدیں دم توڑ گئیں۔

سعودی عرب کو عرب ممالک پر کافی اثر رسوخ رکھتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے مقدس مقامات حرمین شریفین کی نگران ہونے کی حیثیت سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کا ابراہام معاہدہ سعودی عرب کی توثیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس معاہدے کی عملی وجود ہی سعودی عرب کی خاموش رضامندی پر دلالت کرتی ہے[17]۔

7۔ فلسطینوں کے لئے سراب

اس معاہدہ کی وجہ سے عربوں کا وہ طویل اتفاق رائے ٹوٹ گیا ہے جس کے مطابق اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات کی قیمت فلسطین کی آزادی کی شرط تھی۔ اسرائیل عرب ممالکوں کے ساتھ مضبوط سفارتی اور معمول کے تعلقات نبھا رہے ہیں جبکہ فلسطینی اب بھی مشرقی یروشلم میں اور مغربی کنارے پر اسرائیل قبضے میں مشکلات کا شکار ہیں اور غزہ میں فلسطینی قید خانے میں جی رہے ہیں۔

یہ معاہدہ فلسطینوں کے لئے 'پیٹھ میں خنجر گھونپ دینا' قرار دیا جا رہا ہے کیوں ابھی تک فلسطینیوں کو اپنی الگ ریاست نہیں دی جا رہی اور نہ ہی اسرائیلی قبضے کا خاتمہ ہوتا نظر آرہا ہے۔ بحرین کی اس معاہدے میں شمولیت فلسطینیوں کی بے چینی میں اور اضافہ کر دیا۔ مستقبل میں جو جو ممالک اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات بحال کرے گا، فلسطینیوں کی بے چینی میں اضافہ ہوتا چلے گا۔ یوں لگتا ہے کہ فلسطینیوں کی موجودہ حالت مخدوش اور تکلیف دہ جبکہ مستقبل سرابِ منزل ہے[18]۔

8۔ دو ریاستی حل کو پس پشت ڈالنا

1948ء سے جاری اسرائیل فلسطین تنازع کا حل دو آزاد اور خود مختار ریاستوں کا قیام تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ فلسطین ایک علیحدہ آزاد قوم ہونا چاہیئے اور اسرائیل ایک علیحدہ آزاد قوم۔ دو ریاستی حل اسرائیل کے قیام سے ایک سال پہلے 1947ء میں سامنے آیا تھا جب اقوام متحدہ نے برطانیہ کے زیر انتظام فلسطینی علاقے میں یہودی ریاست کے قیام کے حق میں فیصلہ دیا اس قرارداد میں کہا گیا کہ فلسطین کے علاقے میں دو ریاستیں قائم ہوگے۔ 1963ء کے عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے بہت سے عرب علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

1990ء کے دوران اسرائیل نے غرب اردن میں درجنوں یہودی بستیاں قائم کیں جن میں چار لاکھ اسرائیل قیام پذیر ہوگئے اور اسی غرب اردن میں 26 لاکھ فلسطینی بھی بستے ہیں۔ اس یہودی بستیوں نے ہمیشہ خطے میں کسی بھی ممکنہ حل میں رکاوٹ کھڑی کر دی ہے۔ یہاں تک کہ

اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں امریکہ کے سوا تمام ممبران نے یہودی بستیوں کے خلاف قرار کے حق میں ووٹ دیا اور امریکہ جو ہمیشہ اسرائیل کے خلاف قراردادوں کو ویٹو کر دیتا ہے، اس نے اجلاس میں شرکت ہی نہیں کی[19]۔

فی الحال دونوں ممالک کے مابین غرب اردن اصل وجہ نزاع ہے۔ فلسطینی ہمیشہ دو ریاستی حل پر یقین رکھتے ہیں جب کہ اکثر و بیشتر اسرائیلی ایسا نہیں سمجھتے، سرکاری طور پر اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کہتے ہیں کہ وہ دو ریاستی حل پر یقین رکھتے ہیں لیکن وہ یہودی بستیوں کے حامیوں میں سے ایک ہیں۔ واضح رہے کہ بنیامین نیتن یاہو کی حکومت اسرائیل کی تاریخ کی سب سے زیادہ قدامت پسند حکومت سمجھی جاتی ہے۔ فلسطینی دن بدن دو ریاستی حل سے مایوس ہوتے جا رہے ہیں، ایک حالیہ جائزے کے مطابق دو تہائی فلسطینی یہ سمجھتے ہیں کہ دو ریاستی حل اب ناقابل عمل ہو چکا ہے[20]۔

مبحث چہارم

اہل کتاب اور مسلمانوں کے تعلقات کا مختصر تاریخی جائزہ

یہ کھلا حقیقت ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان کبھی بھی حالات ٹھیک اور درست نہیں رہیں، اہل کتاب ابتدائے اسلام ہی سے اسلام اور اہل اسلام کو اپنا دشمن سمجھتے رہے ہیں۔ یہ دشمنی تاریخ کے کسی دور میں بھی ختم نہیں ہوئی، البتہ اس کے رنگ اور شکلیں بدلتی رہی ہیں۔ اہل کتاب کا اسلام اور مسلمانوں سے معاندانہ تعلقات، کھلی کشمکش کے شواہد اسلامی لٹریچر میں بھی اور خود مغربی مصنفین کے تصانیف میں بھی واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں، مثلاً یہود کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ[21]"

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مطابق یہودی آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ پہچانتے تھے[22]۔ اسی طرح غزوہ بنو قریظہ میں بنو قریظہ کے ہتھیار ڈالنے پر کعب بن اسد نے ان کے سامنے تین میں سے ایک آپشن یہ پیش کیا تھا کہ وہ ایمان لائیں اور اس کے حق میں دلیل دیتے ہوئے کہا تھا:

"وتحرزوا أموالكم ونساءكم وأبناءكم فوالله إنكم لتعلمون أنه الذي تجدونه مكتوبا في كتابكم[23]"

ترجمہ: اپنے اموال، بیوی اور بچوں کو محفوظ بناؤ کیوں کہ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ (یہ وہ نبی مرسل ہیں) جس کو اپنے آسمانی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہوں۔

غزوہ بنو نضیر، بنو قریظہ اور غزوہ خیبر یہودیوں ہی کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے نتیجے میں برپا ہوئی تھی جس میں یہودیوں نے اہل اسلام نے عبرناک سزا پائی تھی۔ اس کے بعد جنگ موتہ اسلام اور اہل کتاب خصوصاً عیسائیت کے درمیان کشمکش بھی عیسائیوں کی بعض خلاف اسلام سرگرمیوں کو روکنے کے سلسلے میں لشکر کشی تھی۔ اسلام جب انتہائی سرعت کے ساتھ جزیرہ عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیلا تو

عیسائیوں کو اپنا سیاسی اور روحانی مستقبل تاریک ہوتا دکھائی دے رہا تھا چنانچہ ان کے دل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت سے معمور ہو گئے۔ان میں انتقام کی چنگاریاں سلگنے لگی،جب مسلمانوں کو سیاسی زوال آیا تو عیسائیوں نے ماضی کی شکستوں کے دل کھول کر بدلے لئے ،لیکن انتقام کی اس چنگاری کی حدت میں ہنوز کمی نہیں آئی۔صلیبی جنگوں (حروب صلبیہ) کے طویل سلسلے پر نظر ڈالی جائے تو مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے بغض و عناد اور جارحانہ عزائم کی بہت حد نقاب کشائی ہو جاتی ہے۔

مبحث پنجم:

پس چہ باید کرد

وطن عزیز کے مشہور عالم دین مولانا زاہد الراشدی نے ماہنامہ الشریعہ میں یہود اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات اور اسرائیل کی حیثیت کے عنوان سے چند گزراشات عرض کیں ہیں،ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے[24]۔

اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے بارے میں یہ بات بالکل بجا ہے کہ قرآن کریم کی جس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ''ولایت'' کے درجہ کی دوستی سے منع کیا گیا ہے[25]، وہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ معمول کے تعلقات میں رکاوٹ نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسیحی ممالک کے ساتھ تعلقات اور معاملات میں ملت اسلامیہ نے کبھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا اور خلافت راشدہ سے لے کر اب تک مسیحی ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات اور معاملات مسلسل چلے آرہے ہیں۔البتہ یہودیوں کی دو ہزار سال بعد تشکیل پانے والی ریاست ''اسرائیل'' کے ساتھ تعلقات کا مسئلہ قدرے مختلف نوعیت کا ہے اور اس کی وجہ یہ آیت کریمہ نہیں، بلکہ اگر اس آیت کریمہ کو اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات کی ممانعت میں پیش کیا جائے تو میرے خیال میں یہ خلط مبحث ہوگا اور مسئلہ کو زیادہ الجھا دینے کی صورت ہوگی۔اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ سفارتی تعلقات سے اختلاف کی وجوہ مختلف ہیں۔

1. مثلاً سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری وہاں کی صدیوں سے چلی آنے والی آبادی یعنی فلسطینیوں کی رضامندی کے ساتھ نہیں ہوئی، بلکہ پہلے برطانیہ نے اس خطہ پر ۱۹۱۷ء میں باقاعدہ قبضہ کر کے فوجی طاقت کے بل پر یہودیوں کو فلسطین میں آباد کیا ہے،اور اب امریکہ اور اس کے اتحادی پوری فوجی قوت استعمال کر کے فلسطینیوں کو یہودیوں کی اس جبری آبادکاری کو تسلیم کرنے پر مجبور کر رہے ہیں جس پر فلسطینی راضی نہیں ہیں کیونکہ یہ دھونس اور جبر کا راستہ ہے جسے دنیا کی کوئی مہذب اور متمدن قوم قبول نہیں کر سکتی۔میرا خیال ہے کہ جس طرح ہم کشمیر کے بارے میں اصولی موقف رکھتے ہیں کہ بھارتی فوج وہاں سے چلی جائے اور کشمیریوں کو کسی دباؤ کے بغیر اقوام متحدہ کے نظم کے تحت اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے،اسی طرح فلسطین بلکہ پورے مشرق وسطیٰ کے بارے میں ہمارا اصولی موقف یہ ہونا چاہیے کہ امریکہ اپنی فوجیں اس خطہ سے نکالے اور نہ صرف فلسطین بلکہ خلیج کے دیگر ممالک کو بھی فوجی دباؤ سے آزاد کر کے وہاں کے عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا آزادانہ موقع فراہم کرے۔انصاف اور مسلمہ اصولوں کا تقاضا تو بہر حال یہی ہے اور اگر بالادست قوتیں طاقت کے نشے میں اس اصول پر نہیں آتیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے موقف سے دستبردار ہو جائیں اور

بے اصولی اور دھونس کو اصول و قانون کے طور پر تسلیم کر لیں۔

2. پھر اسرائیل کو تسلیم کرنے میں ایک عملی رکاوٹ یہ بھی ہے جسے دور کیے بغیر اسے تسلیم کرنا قطعی طور پر ناانصافی کی بات ہو گی۔ وہ یہ کہ اسرائیل کی سرحدی حدود اربعہ کیا ہیں؟ یہ بات ابھی تک طے نہیں ہو سکی۔ بہت سے عرب ممالک اور فلسطینی عوام کی اکثریت سرے سے فلسطین کی تقسیم کو قبول نہیں کر رہی۔ اقوام متحدہ نے اسرائیل اور فلسطین کے درمیان جو سرحدات اپنی قرار دادوں میں طے کر رکھی ہیں، انہیں اسرائیل تسلیم نہیں کر رہا۔

- اسرائیل کی اقوام متحدہ کی طرف سے طے کردہ سرحدات اور ہیں،
- اس وقت اس کے زیر قبضہ علاقے کی حدود اربعہ اور ہیں،
- کسی اصول اور قانون کی پروا کیے بغیر پورے فلسطین میں دندناتے پھرنے سے اس کی سرحدوں کا نقشہ بالکل دوسرا دکھائی دیتا ہے،
- اور اسرائیلی حکمرانوں کے عزائم پر مشتمل "عظیم تر اسرائیل" کا جو نقشہ ریکارڈ پر موجود ہے، وہ ان سب سے مختلف ہے۔
- اس کے ساتھ اسرائیلی وزیر اعظم شیرون کا یہ اعلان کئی بار سامنے آچکا ہے کہ وہ فلسطین کی مجوزہ ریاست کو صرف اس شرط پر تسلیم کریں گے کہ اس کی سرحدات کا تعین نہیں ہو گا اور اس کی الگ فوج نہیں ہو گی۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ اسرائیل پورے فلسطین پر حکمرانی کے حق کا اعلان کر رہا ہے اور فلسطینیوں کو سرحدات کے تعین کے ساتھ کوئی چھوٹی سی برائے نام ریاست دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔

3. اس کے ساتھ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے قبل آپ کو بیت المقدس کے بارے میں بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کرنی ہو گی اور اس کی دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو اسرائیل کو بیت المقدس سے دستبرداری پر آمادہ کر لیں اور یا خود "یوٹرن" لے کر بیت المقدس سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیں۔

یہ تینوں رکاوٹیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے، پریکٹیکل ہیں، عملی ہیں اور معروضی ہیں، ان کا کوئی باوقار اور قابل عمل حل نکال لیں اور بے شک اسرائیل کو ایک یہودی ریاست کے طور پر اسی طرح تسلیم کر لیں جس طرح ہم بہت سے مسیحی ممالک کو تسلیم کرتے آرہے ہیں۔ میرے خیال میں اس حوالے سے بات عملی مسائل پر ہونی چاہیے اور معروضی حقائق پر ہونی چاہیے، نظری اور علمی مباحث میں الجھا کر اس مسئلہ کو مزید پیچیدہ نہیں بنانا چاہیے۔

خلاصہ بحث

خطہ مشرق وسطیٰ ایک طرف مذہبی حوالوں سے انتہائی اہمیت کا حامل خطہ ہے تو دوسری طرف یہی خطہ روز روز بے چینی اور اذیتوں سے گزر رہی ہیں، وہاں مختلف النوع مسائل تھمنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ روز افزوں ہیں۔ وہاں کے باشندے امن وآمان کے لئے ترستے ہیں۔ اسرائیل اور فلسطین تنازعہ پورے مشرق وسطیٰ کے مسائل کا اُم المسئلہ اور جڑ ہے۔

تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو فلسطین-اسرائیل تنازعہ بہت پہلودار ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسائل اور مشکلات جنم لے رہی ہیں۔ یہ جغرافیائی عوامل کے علاوہ سیاسی، مذہبی، تزویراتی (Strategic) اور اب اقتصادی عوامل و محرکات اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ فلسطین اور اسرائیل کے اپنے مسائل اور مشکلات کے علاوہ خطے سے جڑے مفادات بھی اسی سے وابستہ ہو چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہاں ہمسایہ ملکوں کے پراکسیز بھی متحرک ہیں۔ گویا پورے خطے کا امن اور بقاء اس مسئلہ سے جڑا ہوا ہے۔

ابراہام معاہدہ (Abraham Accords) اسرائیل، متحدہ عرب امارات اور امریکہ کے درمیان مشترکہ معاہدہ ہے۔ یہ معاہدہ بنیادی طور پر دو ممالک اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان تھا اور امریکہ اس میں ثالث اور ضمانت کنندہ کی حیثیت میں تھا جسے 13 اگست 2020ء کو دستخط کیا گیا تھا۔ اسرائیل نے متحدہ عرب امارات کے بعد یہ معاہدہ بحرین کے ساتھ 15 ستمبر 2020ء بھی کیا جس میں بھی امریکہ ضمانت کنندہ اور ثالث تھا۔

صیہونیت (Zionism) ایک جدید قومی یہودی تحریک کا نام ہے جس کا بنیاد 29 سے 31 اگست 1897ء سوئٹر لینڈ کے شہر بال (Ball) میں رکھا گیا۔ جس کے تحت روسی یہودی ب گوریاں نے سب سے پہلے ان علاقوں کی طرف ہجرت کی اور رفتہ رفتہ یہودی آباد ہونے لگیں۔ آبادکاری کا سب سے سنہرا موقع یہودیوں کو پہلی جنگ عظیم کے وقت میسر آیا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ فلسطین کی تاریخ میں نیا موڑ اس وقت آیا جب 1917ء میں برطانیہ (British Empire) نے صیہونیوں (Zionists) سے فلسطین یہودی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا۔ 1917ء میں اس خطہ میں یہودی آبادکاری کل آٹھ فیصد تھی۔ ٹھیک 31 سال بعد اقوام متحدہ نے اس خطہ کو یک طرفہ طور پر تقسیم کیا، اس وقت یہودیوں کے پاس فلسطین کا سات فیصد سے بھی کم رقبہ تھا۔

اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے بارے میں یہ بات بالکل بجا ہے کہ قرآن کریم کی جس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ "ولایت" کے درجہ کی دوستی سے منع کیا گیا ہے، وہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ معمول کے تعلقات میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحی ممالک کے ساتھ تعلقات اور معاملات میں ملت اسلامیہ نے کبھی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا اور خلافت راشدہ سے لے کر اب تک مسیحی ملکوں کے ساتھ ہمارے تعلقات اور معاملات مسلسل چلے آرہے ہیں۔ البتہ یہودیوں کی دو ہزار سال بعد تشکیل پانے والی ریاست "اسرائیل" کے ساتھ تعلقات کا مسئلہ قدرے مختلف نوعیت کا ہے۔

نتائج و سفارشات

مذکورہ مقالہ پر تحقیقی کام کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نکات بطور نتائج و سفارشات پیش کئے جاتے ہیں:

- ❖ موجودہ اسرائیلی سلطنت یہودیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ صیہونیت کی بنیاد پر قائم ہے اور صیہونیت یہودیوں کے علاوہ دوسرے مذاہب میں بھی پائی جاتی ہے۔ سارے یہودی بھی صیہونی نہیں ہے بلکہ بعض یہودی صیہونیت کے خلاف ہے۔
- ❖ انسانی تاریخ میں مسلمانوں اور یہودوں کے درمیان قتل عام کے واقعات نہیں ہوئے تھے، بلکہ عیسائیوں کی طرف سے یہودیوں کا

ہولوکاسٹ ہوا تھا۔

- ❖ یہودی صیہونیت کے علمبرداروں نے امریکہ اور بھارت کے کئی اہم عہدوں پر قبضہ جمالیا ہے اور یہ دونوں حکومتیں ان کے زیر اثر ہے۔
- ❖ اسلامی دنیا کے لئے ضروری ہے کہ اسرائیلی ریاست کو محض مذہبی نقطہ نظر سے نہ دیکھے بلکہ سیاسی نقطہ نظر سے بھی بغور جائزہ لینا چاہئے۔
- ❖ مشرق وسطیٰ میں شورش وبدامنی خلافت عثمانیہ کے بعد اسرائیل کے قیام کے ساتھ رونما ہوا ہے۔
- ❖ اسرائیل کو اس نظر سے بھی پرکنا ضروری ہے کہ وہ توسیع پسندانہ عزائم رکھتے ہیں۔
- ❖ امریکہ اور اسرائیل کا آپس میں چولی دامن کا رشتہ ہے۔ایک کی ترقی سے دوسرے کی ترقی اور ایک کی تنزلی سے دوسرے کی تنزلی لازم وملزوم ہے۔
- ❖ ابراہام معاہدہ اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان ایک پرامن بقائے باہمی کی ضمانت ہے تاہم یہ عرب ممالک کے شرائط پر طے ہونا چاہئے نہ کہ عالمی قوتوں کے شرائط پر۔
- ❖ مشرق وسطیٰ کے ممالک کو اسرائیل کی طرح سائنس وٹیکنالوجی اور جدید آلات حرب سے لیس ہونا وقت کی اہم ضرورت اور تقاضا ہے۔

حوالہ جات

---

[1] حافظ محمد شارق، **اسلام اور مذاہب عالم**، مکتبہ وسن اشاعت ندارد، ص13

[2] سورۃ آل عمران:65،66،67

[3] رحمانی، مولانا خالد سیف اللہ، **آسان ترجمہ وتفسیر**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز2018ء، ج1، ص123

[4] مقدس شہر یروشلم کو صیون کی کنواری بیٹی کہہ کر پکارا گیا ہے۔یروشلم کوہ صیون پر آباد ہے۔یہ شہر یہودیوں اور مسیحوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے اور بڑا مقدس سمجھا جاتا ہے۔[فرہنگ کتاب مقدس، **عہد نامہ قدیم**، ص1255]

[5] شیخ احمد دیدات، **تقابل الادیان السماویہ**، لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ص127

[6] Professor Shai Cherry, ***Introduction to Judaism part-2***,Publisher the Teaching Company,p20

[7] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈا تھیکس، ج:12، ص856

[8] امیاز وریا، **فلسطینی علاقوں پر یہودیوں کا قبضہ اور مسئلہ فلسطین کی حقیقت**، لاہور: جمیعۃ پبلی کیشنز، سن اشاعت اپریل2004ء، ص240

[9] نعمانی، مولانا یرید احمد، **فلسطین۔۔۔تاریخ کے آئینے میں**، ناشر: بھارت: ماہانامہ دارالعلوم، ستمبر-اکتوبر2010ء

[10] امیاز وریا، **فلسطینی علاقوں پر یہودیوں کا قبضہ اور مسئلہ فلسطین کی حقیقت**، لاہور: جمیعۃ پبلی کیشنز، سن اشاعت اپریل2004ء، ص240

[11] تفصیل کے لئے لنک ملاحظہ کیجئے:"https://www.history.com/topics/middle-east/oslo-accords "تاریخ

رسائی(16-04-2021)

[12] بابر اعوان ایڈوکیٹ، **صدی کا تھپڑ**، فیصل آباد: روزنامہ دنیا، ص5، اداریہ، تاریخ31-10-2020

[13] Ali Sawafta and Nidal al-mughrabi, 'Slap of the century': Palestinians reject Trump Mideast plan, Reuters, 28 January, 2020, See link"https://www.reuters.com/article/us-israel-palestinians-plan-reactions-idUSKBN1ZR2BN"

[14] U.S. Department of State, See Link:" https://www.state.gov/wp-content/uploads/2020/10/Abraham-Accords-signed-FINAL-15-Sept-2020-508-1.pdf "

[15] U.S. Department of State, See Link:" https://www.state.gov/wp-content/uploads/2020/10/Abraham-Accords-signed-FINAL-15-Sept-2020-508-1.pdf "

[16] Patsy Widakuswara, How the Abraham Accord Might Impact the Middle East, August 15, 2020, Voice of America, Middle East, See link:" https://www.voanews.com/middle-east/how-abraham-accord-might-impact-middle-east"

[17] Arena: Why were Saudis and Israelis in secret talks? Al-Jazeera. (17 Oct 2015) https://www.aljazeera.com/programmes/upfront/2015/10/arena-saudis-israelis-secret-talks-151017113137603.html

[18] Aziz Ur Rahman, *Causes behind the Abraham Accord and its consequences for the Peace Process in the Middle East*, The Middle East Journal Volume 2, No.4(December), November 2020,p74

[19] Benny Morris, ***One State, Two States: Resolving the Israel/Palestine Conflict***, London, Yale University Press, p201

[20] بی بی سی رپورٹ، **فلسطینی مسئلے کا دو ریاستی حل ہے کیا؟** 29 دسمبر 2016، دیکھئے لنک: "تاریخ رسائی(18-04-2021)

[21] سورۃ البقرۃ:146

[22] القرطبیّ، ابوعبداللہ محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن**، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ2006ء، ج2، ص447

[23] القرطبیّ، ابوعبداللہ محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن**، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ2006ء، ج17، ص84

[24] مولانا زاہد الراشدی، **یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلقات اور اسرائیل کی حیثیت**، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالا، شمارہ ستمبر 2020ء

[25] **سورۃ المائدہ آیت 51 ملاحظہ فرمائیں:** "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ" یعنی اے ایمان والو! (ان) یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا، بے شک وہ بھی انہیں میں سے (شمار) ہو گا۔ یقیناً اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔

References

1. Hafiz Muhammad Shariq, **Islam and The World Religions**, Maktaba was published, p. 13.
2. Surah Al Imran: 67,66,65
3. Rahmani, Maulana Khalid Saifullah, **Easy Translation and Tafseer**, Lahore: Sang-e-Mail Publications 2018, vol. 1, p. 123
4. The holy city of Jerusalem is called zion's virgin daughter. Jerusalem is situated on Mount Zion. This city is of great importance to Jews and Christians and is considered very sacred. [Farhang Scripture, **Old Testament**, p. 1255]
5. Shaykh Ahmad Didat, **Comparative Al-Adian al-Samawia**, Lahore: Abdullah Academy, p. 127
6. Professor Shai Cherry, ***Introduction to Judaism part-2***,Publisher the Teaching Company,p20
7. Encyclopedia of Religion and Ethics, vol. 12, p. 856
8. Amyaz Waria, **Jewish occupation of Palestinian territories and the reality of the Palestinian issue**, Lahore: Jamiat Publications, April 2004, p. 240
9. Nomani, Maulana Yered Ahmad, **Palestine in the Mirror of History**, Publisher: India:

Mahanama Darul Uloom, September-October 2010
10. Amyaz Waria, **Jewish occupation of Palestinian territories and the reality of the Palestinian issue**, Lahore: Jamiat Publications, April 2004, p. 240
11. See link for details: " https://www.history.com/topics/middle-east/oslo-accords" Date of Access (2021-04-16)
12. Babar Awan Advocate, **Century's Slap**, Faisalabad: Daily Dunya, p. 5, Editorial, Dated 2020-10-31
13. Ali Sawafta and Nidal al-mughrabi, 'Slap of the century': Palestinians reject Trump Mideast plan, Reuters, 28 January, 2020, See link"https://www.reuters.com/article/us-israel-palestinians-plan-reactions-idUSKBN1ZR2BN"
14. U.S. Department of State, See Link:" https://www.state.gov/wp-content/uploads/2020/10/Abraham-Accords-signed-FINAL-15-Sept-2020-508-1.pdf "
15. U.S. Department of State, See Link:" https://www.state.gov/wp-content/uploads/2020/10/Abraham-Accords-signed-FINAL-15-Sept-2020-508-1.pdf "
16. Patsy Widakuswara, How the Abraham Accord Might Impact the Middle East, August 15, 2020, Voice of America, Middle East, See link:" https://www.voanews.com/middle-east/how-abraham-accord-might-impact-middle-east"
17. Arena: Why were Saudis and Israelis in secret talks? Al-Jazeera. (17 Oct 2015) https://www.aljazeera.com/programmes/upfront/2015/10/arena-saudis-israelis-secret-talks-151017113137603.html
18. Aziz Ur Rahman, *Causes behind the Abraham Accord and its consequences for the Peace Process in the Middle East*, The Middle East Journal Volume 2, No.4(December), November 2020,p74
19. Benny Morris, ***One State, Two States: Resolving the Israel/Palestine Conflict***, London, Yale University Press, p201
20. BBC report: **Is there a two-state solution to the Palestinian problem?** December 29, 2016, see link: "History access (2021-04-18)
21. Surah Al-Baqara: 146
22. Al-Qurtawi, Abu 'Abd Allah Muhammad bin Ahmad, **Al-Jami al-Aqsa al-Qur'an,** Beirut: Mussat al-Risala, vol. 2, p. 447.
23. Abu 'Abd Allah Muhammad bin Ahmad, **Al-Jami al-Aqsa al-Qur'an,** Beirut: Mussat al-Risala, vol. 17, p. 84.
24. Maulana Zahid-ul-Rashidi, **Relations with Jews and Christians and the Status of Israel**, Monthly Al-Sharia, Gujranwala, Issue September 2020
25. See Surah Al-Ma'ida verse 51